ناہید انٹرنیشنل جرنل

Nahid International Journal

Urdu World
Mauritius

ISSN: 1694-3554

موریشس

جنوری تا مارچ ۲۰۲۴ء

جلد ۳ شمارہ ۱

خصوصی شمارہ: افسانہ

ڈاکٹر نازیہ بیگم جافو خان
مدیر اعلیٰ
ناہید انٹرنیشنل جرنل

NahidInternational
Urdu world

EDITORIAL BOARD

CHIEF EDITOR

Dr. Nazia Begum Jaffoo Khan

Lecturer

Department of Urdu Studies

School of Indian Studies

Mahatma Gandhi Institute

Moka

Mauritius

nahidinternational1@gmail.com

EDITORIAL TEAM

Prof. Dr. Syed Mohammad Anwar Alam (Anwar Pasha)

Professor

Department of Urdu

Center for Indian Languages

Jawaharlal Nehru University

New Delhi

India

anwarpashajnu@gmail.com

Prof. Dr. Mirza Hamid Baig

Former Head of Urdu Department, Dean faculty of Arts

Govt. Postgraduate Islamia College

Railway Road

Lahore

Pakistan

mirza_hamid_baig@yahoo.com

Prof. Dr. Halil Toker

Professor

Department of Urdu

Edebiyat (Literature) Faculty

Istanbul University

Istanbul

ناہیدانٹرنیشنل جرنل

فہرست

(۱)	افسانے کے جواز میں	ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن	۱۰-۶
(۲)	اردو افسانے میں تقسیم ہند کے مسائل اور کرب	ڈاکٹر ساجد علی قادری	15-11
(۳)	اردو افسانے کا سفر دیہات سے شہر تک :ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر بلقیس بیگم	۲۸-۱۶
(۴)	پریم چند کی افسانہ نگاری کا اجمالی جائزہ	ڈاکٹر شیخ آفاق انجم	۳۴-۲۹
(۵)	نئی نسل کے افسانہ نگاروں میں عصری حسیّت	ڈاکٹر پرویز شہریار	۳۸-۳۵
(۶)	اُردو افسانہ نگاری کا ایک شاداب جزیرہ، مالیگاؤں	ڈاکٹر شاہینہ پروین صدیقی	۴۳-۳۹
(۷)	صغرا مہدی (ایک بے باک مصنفہ)	ڈاکٹر شاہدہ فاطمہ	۴۷-۴۴
(۸)	جدید اُردو افسانے کے موضوعات	ڈاکٹر اسریٰ فاطمہ	۵۷-۴۸
(۹)	موپاساں کے افسانوں میں جنگ کی ہولناکی	مارائی بی بی روزیدہ	۶۰-۵۸
(۱۰)	دکن کا مایہ ناز افسانہ نگار : حمید سہروردی	رمیشا قمر (قمرالنساء)	۷۰-۶۱
(۱۱)	بی۔جمشیدہ خاتون کے افسانوں میں سماجی وطبقاتی شعور	شاہ جہاں بیگم گوہر کرنولی	۷۵-۷۱
(۱۲)	خواتین افسانہ نگار (ٹامل ناڈو کے حوالے سے)	جی بی عائشہ	۸۲-۷۶
(۱۳)	جیلانی بانو کے افسانوی مجموعہ 'راستہ بند ہے' کا جائزہ	صالحہ انجم۔ایم	۸۶-۸۳

پریم چند کی افسانہ نگاری کا اجمالی جائزہ

ڈاکٹر شیخ آفاق انجم
صدر، شعبہ اُردو، نوتن مراٹھا کالج،
جلگاؤں (انڈیا)

انسان فطری طور پر قصے کہانیوں کا دلدادہ رہا ہے۔ کہانی سننا اور سنانا اس کا پسندیدہ مشغلہ رہا ہے۔ قدیم زمانے میں قصہ گو ہوا کرتے تھے جو بادشاہ امراء اور رعایا کی تفنّنِ طبع کی خاطر درباروں اور چوپالوں میں قصے سنایا کرتے تھے۔ یہی قصہ جب الفاظ کے خوبصورت زیور سے آراستہ ہو کر کاغذی پیرہن میں ملبوس ہوا تو داستان کی شکل میں باذوق تعلیم یافتہ طبقے کے ڈرائنگ روم تک جا پہنچا۔ ایک زمانے تک قاری داستان کے مافوق الفطرت عناصر اور دیومالائی کرداروں کے سحر میں جکڑا رہا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی رجحانات نے انسان کو حقیقت پسندی کی طرف مائل کیا نتیجتاً قاری داستان کی طلسماتی فضا سے نکل کر حقیقی دنیا میں سانس لینے لگا۔ دیومالائی کرداروں میں اسے اب وہ دلچسپی نہیں رہی۔ جادوئی قصّوں اور مافوق الفطرت عناصر سے اس کی طبیعت اکتانے لگی۔ یہی وہ وقت تھا جب مغرب سے ایک صنف ناول کی شکل میں اردو ادب میں داخل ہوئی۔ قارئین نے اسے سرآنکھوں پر بٹھایا۔ حالانکہ ناول داستان ہی کی ترقی یافتہ شکل تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دیو، پریوں اور جنوں کی جگہ اب سماج کے چلتے پھرتے حقیقی کرداروں نے لی تھی۔ لیکن ان دونوں اصناف میں ایک قدر جو مشترک تھی، وہ تھی طوالت۔ زمانے کی تیز روی نے فرصت اور فراغت کا ماحول ختم کر دیا تو انسان کے پاس طویل داستانوں اور ضخیم ناولوں کو پڑھنے کے لئے وقت نہ رہا اس عدیم الفرصتی کی وجہ سے مختصر کہانیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ مختصر کہانیوں کو رواج ملا اور یہ مختصر کہانی افسانہ کہلائی۔ اردو میں افسانہ بھی ناول کی طرح مغرب ہی کی دین ہے۔ مغرب میں یہ شارٹ اسٹوری کہلائی اور مشرق میں افسانہ۔ 'افسانہ' فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی قصّہ، کہانی، ماجرا، سرگزشت، یا من گھڑت بات کے ہوتے ہیں۔ افسانہ جدید صنعتی اور مشینی دور کی پیداوار ہے۔

افسانے کی ضرورت و اہمیت کے تعلق سے سلام سندیلوی یوں تحریر کرتے ہیں۔۔۔۔۔

"عدیم الفرصتی کی بناء پر انسان کے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ وہ ضخیم کتب کا مطالعہ کر کے طولانی ناولوں سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس کو مختصر ادبی فن پاروں کی ضرورت محسوس ہوئی، تا کہ وہ اپنی رومانی تشنگی کو بجھا سکے۔ انہی حالات کے تحت افسانے کی ایجاد ہوئی۔" [۱]

اپنے سفر کے ابتدائی دور میں اردو افسانہ کافی نشیب و فراز سے گزرا۔ مختلف مراحل میں زمانے کی تیز و تند ہواؤں اور انسان کے تغیر پذیر رویّوں کا شکار رہا۔ کبھی اس نے فنّی و لسانی بلندیوں کو چھو کر دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرأت کی، تو کبھی وہ اپنے گرد و پیش کے حالات کے کرب سے چیخ اٹھا۔ کبھی افسانہ سستی اشتہار بازی کا شکار ہو کر مختلف فلاسفہ کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا، تو کبھی وہ ابہام کی بھول بُھلیّوں میں اس دیوانگی کے عالم میں گم ہوا کہ اس کے دوش بدوش سانس لیتے نفوس بھی اس کے وجود اور مقصدیت کو چھو نہ سکے۔ افسانے کے اسی تذبذب نے اُردو ادب میں افسانہ نگار کے ساتھ ساتھ اکثر قاری اور نقّاد کو بھی الجھن میں ڈال دیا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ افسانہ رومانی

سحر انگیزیوں، اشتہاری مقصدیت اور ابہام کی بھول بھلیّوں سے بہت حد تک آزاد ہو گیا، اور اب نیا افسانہ حقیقت کی معرفت اور اسلوب کی جاذبیت کی بنیادوں پر پورے استحکام کے ساتھ کھڑا نظر آتا ہے۔ افسانہ کے جسم میں گردش کرنے والی روح اب حقیقت سے کافی مانوس ہو گئی ہے۔ اب اسے محض تخیل کی لامتناہی فضاؤں میں محوِ پرواز ہونا گوارا نہیں ہے، بلکہ وہ حقیقی مناظر کو تصوراتی رنگ وروغن سے مزیّن کر کے دیکھنے کا عادی ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب حقیقت نگاری ایک نئے روپ میں افسانہ کی سانسوں کے زیر وبم میں محسوس کی جاسکتی ہے۔

اردو ادب کی اس دلچسپ اور سحر انگیز صنف کا باقاعدہ آغاز دیہات میں رہنے والے ایک ایسے سادہ لوح اور حسّاس شخص سے ہوا جس کی سادگی اس وقت بھی برقرار رہی، جب اس کی تحریری وفنّی صلاحیتوں نے اسے ملک کے طول وعرض میں مقبولیت کی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا دیا۔ اُردو کے اس بے لوث سپاہی کو دنیا منشی پریم چند کے نام سے جانتی ہے۔ پریم چند ۳۱، جولائی ۱۸۸۰ء کو ریاست اتر پردیش کے شہر وارانسی کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں لمہی میں پیدا ہوئے۔ اصل نام دھنپت رائے شریواستو تھا۔ ابتدا میں نواب رائے کے قلمی نام سے لکھنے لگے۔ کاغذ اور قلم سے پریم چند کا رشتہ بالکل سچا اور گہرا تھا۔ وہ دیوانگی کی حد تک لکھنے پڑھنے کے عادی تھے۔ انہوں نے اُردو افسانے کو ایک نئی جہت بخشی اور کئی لازوال افسانوں کو سپردِ قرطاس کیا۔ اُردو افسانے کے آغاز اور اوّلیت کے تعلق سے خاصے اختلافات رہے ہیں۔ حالانکہ اُردو افسانے کی عمر کچھ اتنی طویل بھی نہیں کہ یہ تحقیق کیلئے کوئی بہت بڑا اور پیچیدہ مسئلہ ہو۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ راشد الخیری کا افسانہ 'نصیر اور خدیجہ' اُردو کا پہلا افسانہ ہے۔ کچھ محققین سجّاد حیدر یلدرم کے افسانہ 'دوست کا خط' کو تو اکثر پریم چند کے افسانہ 'دنیا کا سب سے انمول رتن' کو اُردو کا پہلا افسانہ تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ پریم چند نے افسانہ نگاری کے فن سے اُردو دنیا کو روشناس کرایا۔ فنّی اعتبار سے افسانہ کے تمام تر اجزائے ترکیبی، فنّی کمالات اور اسلوب نگارش سب سے پہلے پریم چند کے افسانوں میں محسوس کیے گئے۔ اسی لئے پریم چند کو اُردو افسانہ کا موجد تسلیم کیا گیا۔ پریم چند کا پہلا افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' ۱۹۰۸ء میں منظر عام پر آیا۔ اس مجموعہ میں آزادی وحرّیت پسندی، غلامی سے نجات اور علمِ بغاوت بلند کرنے کے موضوعات کو سمیٹا گیا تھا، جس کے باعث انگریز حکومت نے اس مجموعہ کی تمام کاپیاں ضبط کر لی اور سخت پابندی عائد کر دی۔ پریم چند اُس وقت تک نواب رائے کے نام سے لکھا کرتے تھے۔ اس سانحہ کے بعد اُردو مجلہ 'زمانہ' کے مدیر اور پریم چند کے قریبی دوست منشی دیا نارائن نگم کے مشورے پر وہ پریم چند کے قلمی نام سے لکھنے لگے۔ ان کی ابتدائی تخلیقات 'زمانہ' ہی میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ کاغذ قلم سے پریم چند کا رشتہ آخری سانس تک جاری رہا۔ آخری ایّام میں وہ شدید بیمار پڑے اور اپنا آخری ناول 'منگل سوتر' مکمل کرنے سے قبل ہی ۸، اکتوبر ۱۹۳۶ء کو اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔ اس ناول کی تکمیل ان کے بیٹے امرت رائے نے کی۔ دیہات کی تصویر کشی پریم چند کے افسانوں کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ پریم چند کی افسانہ نگاری کا ایک اور اہم پہلو اصلاح پسندی ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعے ہندوستانی سماج میں پھیلی برائیوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ غریبوں کا استحصال، کسانوں پر ظلم وستم، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی زیادتیاں، اونچی ذات والوں کا دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اسی طرح کی دوسری برائیاں ان کے حسّاس دل کو تڑپا دیتی ہیں اور وہ اپنے افسانوں میں ان برائیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے نظر آتے ہیں۔ پریم چند کے افسانوں میں مقصدیت کا عنصر غالب ہے۔ اُن کی افسانہ نگاری میں بتدریج ارتقاء نظر آتا ہے۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعہ 'سوزِ وطن' سے لے کر آخری دور کے مجموعوں 'واردات' اور 'زادِ راہ' کے افسانوں میں بڑا واضح فرق نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے پریم چند کی افسانہ نگاری کو مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء کے عرصے پر محیط ہے۔ دوسرا دور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۲ء تک اور تیسرا دور جو نسبتاً مختصر ہے ۱۹۳۲ء تا ۱۹۳۶ء پر مشتمل پریم چند کی زندگی کے آخری چار سالوں کا احاطہ کرتا ہے۔

''کپھن لاس کے ساتھ جل ہی تو جاتا ہے۔'' مادھوا پنے باپ سے کہتا ہے تو گھیسو جواب دیتا ہے،

''اور کیا رکھا ہے، یہی پانچ روپے پہلے ملتے تو کچھ دوا دارو کے کام آتے۔'' ۳؎

کفن کے پانچ روپے سے دونوں گوشت پوریاں کھاتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور مرنے والی کو دعائیں دیتے ہیں کہ اُس کے مرنے کے بعد ہی یہ عیش ملا، گویا اُن کی زندگی کی بہت بڑی خواہش پوری ہوئی۔ نشے کی حالت میں گھیسو اپنے دل کو تسلّی دیتے ہوئے یہ جواز پیش کرتا ہے،

''کپھن لگانے سے کیا ملتا ہے، آ کھر جل ہی تو جاتا، کچھ بہو کے ساتھ تو نہ جاتا۔'' ۴؎

یہ جملے اپنے اندر شدید کرب و اذیت کا احساس لئے ہیں، جس کے سہارے پریم چند سسکتے ہوئی عوام کی تصویر کشی کرتے ہیں، سماج کی بے حسی اور کٹھور پن کہ بیان کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر یہ احساس بھی دلاتے ہیں کہ ہم رسم و رواج کے کتنے سخت بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ پریم چند نے اس افسانہ میں عصری حقائق کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔

پریم چند کے ہاں ہمیں دونوں رویّے ملتے ہیں۔ ایک طرف سماج کی سچّی اور کھری تصویریں جبکہ دوسری طرف تخیّل کی رنگ آمیزی ملتی ہے۔ پریم چند کے ہاں رومانیت کا تصوّر ایک سماجی پہلو لیے ہوئے ہے اور وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے انحراف نہیں کرتے۔ پریم چند نے اپنے افسانے 'مِس پدما' اور 'نئی بیوی' میں اپنی روایتی ڈگر سے ہٹ کر تجربے کیے ہیں۔ افسانہ 'مِس پدما' میں پدما کا کردار ایک جدید معاشرہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اُس کی آزاد خیالی اور بے باکانہ روِش اچھے اچھے روشن خیالوں کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے۔ عدالت میں وکالت کی پریکٹس کے دوران اس کی خرمستیاں اور ہم پیشہ وکلاء اور ججوں تک کا اس کے اندازِ دلربائی کا گرویدہ ہوجانا ایک جدید ترین معاشرہ کا آئینہ ہے۔ پھر اپنی بہن رتنا کی اُس کے شوہر سے نا چاقی سے جھلاّ کر اس مسئلہ کا کارگر حل تلاش کرتے کرتے وہ کب اُسی شیام لال کی خواب گاہ کی زینت بن جاتی ہے اُسے پتا تک نہیں چلتا۔ ان دونوں کا بغیر شادی کیے ایک ساتھ میاں بیوی کی طرح ایک ہی چھت کے نیچے رہنا آج کے جدید معاشرے کی ایک بے باک اصطلاح 'لیو اِن ریلیشن شِپ' کا نمونہ ہے، جسے پریم چند نے بڑی بے باکی سے پیش کیا ہے۔ ہر چند کہ پریم چند عورتوں کے حقوق کے تحفّظ کے حمایتی تھے، اِس کے باوجود وہ آزادیٔ نسواں کے نام پر بے حیائی کی تمام حدوں کو پار کرتی مِس پدما کو افسانہ کے کلائِمکس تک آتے آتے قابلِ مذمّت قرار دیتے ہیں۔ یہ افسانہ پریم چند کی دوراندیشی اور مستقبل کے حالات سے آگہی کی بہترین مثال ہے۔

افسانہ 'نئی بیوی' میں کرداروں کا بلا جھجک ایک دوسرے سے وابستہ ہوجانا اور مکالموں کا بڑی بے باکی سے اپنے مدعا کی جانب پیش رفت کرنا، ماڈرن سماج کی علامت کے طور پر اُبھر کر سامنے آتا ہے۔ ایک عُمر رسیدہ شخص لالہ ڈنگا مل سے ایک جوان عورت آشا کی شادی ہر دور کی ایک کھُلی حقیقت ہے۔ اس میں قدامت اور جدّت کو دخل نہیں، لیکن افسانے کے کردار مہذّب خاندان کی روایتوں سے بغاوت کرتے ہوئے جس جرأت مندی کے ساتھ اپنے جذبات سے مجبور ہو کر تمام حدوں کو پار کر جاتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پریم چند کے حاشیۂ خیال میں جدید زمانہ کے کیسے کیسے مناظر رقص کناں ہوتے رہتے تھے۔ اِس افسانہ میں آشا کا اپنے کمسِن نوکر جُگل سے رشتہ قائم کرنا پریم چند کے نزدیک ایک فطری عمل ہے۔ وہ اِس رشتہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کرتے۔ افسانہ 'نئی بیوی' میں پریم چند کا نظریہ افسانہ 'مِس پدما' سے قدرے مختلف نظر آتا ہے۔ وہ کلائِمکس تک مِس پدما کو تسکینِ جذبات کے لیے اختیار کی گئی بے حیائی کی وجہ سے قابلِ مذمّت قرار دیتے ہیں، اس کے برعکس 'نئی بیوی' میں وہ آشا کے ناجائز جسمانی رشتہ کو اُس کی فطری ضرورت قرار دیتے ہیں۔ پریم چند کے مطابق اس افسانہ میں ایک عورت کے بنیادی حقوق غصب ہوئے ہیں لہٰذا اُس کے قدموں کا ڈگمگانا ایک فطری اَمر ہے۔ وہ ایسے حالات میں عورت کی بے راہ روی کا ذمہ دار معاشرہ

میں پہیلی بے جوڑ شادی جیسی برائی کو قرار دیتے ہیں۔ اِس سے پریم چند کی عورت کی نفسیات سے واقفیت، عورت کے جذبات واحساسات کے تئیں حسّاسیت نیز عورتوں کے حقوق کی بازیابی کی حمایت جیسے کئی احسن پہلو اُجاگر ہوتے ہیں۔ پریم چند افسانہ کے جدید رجحانات کو بڑی خوبی سے پیش کرنے کا ہُنر جانتے تھے، اسی لیے اُن کے کچھ افسانوں کے موضوعات، کردار کی تشکیل اور پلاٹ کی ترتیب انھیں جدیدیت کے اُسلوب سے قریب تر کردیتے ہیں۔

ڈاکٹر قمر رئیس پریم چند کے اُسلوب اوران کے طرزِ تحریر پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں۔۔۔۔۔

''پریم چند کے فن کی ایک بڑی قوت ان کی سادہ اور سلیس زبان اور شفاف اور بے تکلف طرزِ تحریر ہے۔ انہوں نے بول چال کی عام فہم زبان کو تخلیقی زبان کا درجہ عطا کیا اور اُردو کے افسانوی ادب کو ایک ایسا جاندار اور شگفتہ اسلوب دیا جو تصنّع، تکلّف اور ہر طرح کی آرائش سے پاک ہے۔ فکر و اظہار کا یہی وہ سادہ اور حقیقت پسندانہ اسلوب ہے جو جدید اُردو افسانہ میں پریم چند کی روایت کے تحفّظ اور تسلسل کی شناخت بن گیا ہے۔'' ۵؂

پریم چند کے افسانے گو کہ ایک صدی سے کچھ کم عرصہ قبل تحریر کیے گئے، مگر ان کے قلم کی ہمہ گیری نے اُن کے افسانوں کو آج کے سلگتے ہوئے موضوعات کے ہم آہنگ کردیا ہے۔ اور یہی بصیرت پریم چند کے افسانوں کا وصفِ خاص ہے۔ پریم چند نے تین سو سے زائد افسانے لکھے۔ اُن کے افسانوی مجموعوں کی کل تعداد چودہ ہے۔ پریم چند کے افسانوں کا مجموعی طور پر تجزیہ کرنے پر یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ وہ ایسے افسانہ نگار ہیں جن کی ہمہ رنگ افسانہ نگاری مختلف مکاتبِ فکر کو مطمئن اور مسرور کرتی ہے۔ اُن کی نگارشات ہر طبقۂ فن کے لئے آبِ حیات فراہم کرتی ہے اور اُردو کے جسمِ نیم مردہ میں آفاقی روح بن کر پورے جوش وولولہ کے ساتھ گردش کرتی ہے۔ پریم چند کے افسانے ایسے نخلستان ہیں جو اُردو ادب کے صحرا کو جابجا فرحت بخش ہواؤں کے جھونکوں سے سرشار کردیتے ہیں۔

حوالہ جات :

۱۔ ادب کا تنقیدی مطالعہ، سلام سندیلوی، نسیم بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۷۲ء، ص ۲۹۱

۲۔ نیا افسانہ، سیّد وقار عظیم، مطبوعہ جناح پریس، دہلی، ۱۹۴۶ء، ص ۲۴

۳۔ پریم چند کے نمائندہ افسانے، ڈاکٹر قمر رئیس، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲۹

۴۔ ایضاً، ص ۲۲۹

۵۔ پریم چند کے نمائندہ افسانے (مقدمہ)، ڈاکٹر قمر رئیس، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۶ء، ص ۲۳

☆☆☆☆☆

ناہید انٹرنیشنل جرنل

Nahid International Journal

Urdu World

Mauritius

Address : T.B. S Lane ,8th Mile ,Triolet
Mauritius

Office No. : +230-2700845

Mobile No. : +230-59741829
+230-54818665

Email : nahidinternational1@gmail.com
urdu@nahidinternational.com

Website : www.nahidinternational.com

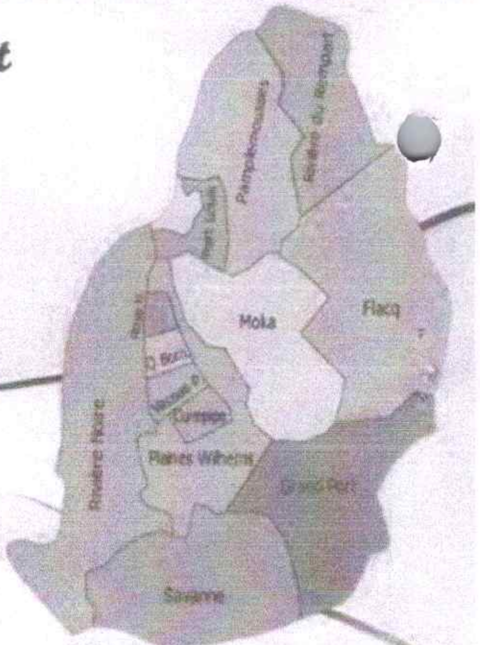

Mauritius map

Editor
Dr. Nazia Begum Jaffoo Khan
Writer, Lecturer at Mahatma Gandhi Institute (Tertiary)
Radio Presenter at Mauritius Broadcasting Corporation
Mauritius

Scan the QR code for previous issues

ISSN : 1694-3554